باب ۔۴

ترجمہ

فص ادریسیہ

حکمت قدوسیہ

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی مسئلے کی تحقیق جدا ہوتی ہے۔ اور مثال کے طور پر یا عبرت لینے یا نصیحت پکڑنے کے لیے کسی جانور کے فرضی قصے کا بیان کرنا، یا غلط مگر مشہور واقعے کی طرف اشارہ کرنا درست ہے۔ کیوں کہ اس وقت مقصود صرف تمثیل اور عبرت ہوتی ہے۔

واقعات اور مسائل کی تحقیق و تنقید کا مقام دوسرا ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی کہے کہ حریص (یا لالچی) کو کچھ نہیں ملتا، بلکہ جو کچھ اپنا تھا وہ بھی کھو دیتا ہے۔ جیسے، ایک حریص کتا جس کے منہ میں گوشت کا ٹکڑا تھا، ندی پر سے گذر رہا تھا۔ اس نے ندی میں اپنا سایہ دیکھا۔ اس نے سمجھا کہ ایک دوسرا کتا منہ میں گوشت کا ٹکڑا پکڑا لیے جا رہا ہے۔ حریص کتا اپنا منہ کھول کر اس گوشت کو چھیننے کے لیے جھپٹا، اور اپنا گوشت کا ٹکڑا بھی کھو دیا۔ دیکھو اس قصے سے صرف حرص کی مذمت مقصود ہے اور وہ اس سے حاصل ہے۔ یہ بات کہ کیا واقعی کسی کتے نے ایسا کیا، یا نہیں، ہمارے مقصود سے خارج ہے۔

ہیئت دانوں (ماہرین فلکیات) کے دو فرقے ہیں۔ ۱) بعض زمین کو مرکز عالم سمجھتے ہیں۔ یہ بطلیموسی کہلاتے ہیں۔ ۲) بعض آفتاب کو اپنے سیاروں کا مرکز سمجھتے ہیں۔ یہ فیثاغورثی کہلاتے ہیں۔

تابعینِ فیثاغورث کے خیال میں ہر ایک ثابتہ (یعنی وہ ستارہ جو گردش نہ کرے)، آفتاب ہے اور اس کا نور ذاتی ہے۔ بعض ثابتے ہمارے آفتاب سے بہت بڑے ہیں۔ کہکشاں (یا گیلیکسی میں)، جس کو عربی میں مجرّہ کہتے ہیں، کروڑہا کروڑ آفتاب ہیں۔ دو دو ثابتے یا آفتاب (یعنی سورج) باہم ایک دوسرے کے اطراف گردش کرتے ہیں، اور دو دو کا جوڑا، ایک اور جوڑے کے اطراف گردش کرتا ہے۔۔۔ بعض کے پاس قمر (یعنی چاند)

زمین کے اطراف گردش کرتا ہے، اور زمین مع قمر کے، آفتاب کے اطراف گردش کرتی ہے۔ آفتاب مع تمام سیارات کے، کسی بہت بڑے آفتاب کے گرد گردش کرتا ہے۔ تمام آفتاب ہائے عالم ایک شمس الشموس کے اطراف گردش کرتے ہیں۔ زمین کو ساکن ماننے والوں کے پاس ستاروں کی جو ترتیب ہے اس کو شیخؒ نے یہاں بطور تمثیل کے بیان کیا ہے۔ یہاں صرف علوے مکان کی مثال مقصود ہے نہ کہ تائید نظام بطلیموسی۔ ہم کو بحیثیت مذہبی آدمی اور صوفی ہونے کے، نہ نظام فیثا غورث سے غرض ہے نہ نظام بطلیموسی سے۔ اس مسئلے کو یاد رکھو ۔ یہ بہت سی جگہ نفع دے گا۔

علو و بلندی و تفوق (یعنی اعلیٰ اور برتر ہونا) چار قسم پر ہے ۔۔۔۔ ۱) علوِ ذاتی: ذات کا بذاتِ خود موجود ہونا۔ ۲) علوِ صفاتی: صفات کا کسی دوسرے سے حاصل نہ ہونا، بلکہ اس کا منشا صرف اسی کی ذات کا ہونا (ہے)۔ ۳) علوِ مکانی: مکان کا بلند ہونا۔ ۴) علوِ مکانت: مرتبۂ عالی۔

پہلے دو علو، ذاتِ واجبہ سے خاص ہیں۔ علو مکان اور علو مکانت و مرتبت، ممکنات میں بھی پائے جاتے ہیں، اور ایسا علو نسبت و اضافت ہے۔ دوسرے کے لحاظ سے ہے۔ جیسے، وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (یعنی) ہم نے {ادریسؑ کو} مکانِ عالی پر چڑھادیا، (مریم:۵۷)۔ مکانات میں اعلی مکان، نظام فیثا غورثی کے اصول پر، یا سیارات کو نور بخشی کے لحاظ سے، وہ مکان ہے جس پر عالم افلاک کی چکی گردش کرتی ہے اور وہ ملک الشمس ہے۔ اسی میں ادریس علیہ السلام کی روحانیت کا مقام ہے۔ دیکھنے میں یا نظام بطلیموسی کے مطابق فلک الشمس کے نیچے سات فلک ہیں، اور اس کے اوپر سات فلک ہیں۔ فلک الشمس پندرھواں فلک ہے۔ اصلی ترتیب یہ ہے:

۱) کرۂ زمین یا خاک۔ ۲) کرۂ آب۔ ۳) کرۂ ہوا۔ ۴) کرۂ ایتھر۔ ۵) قمر۔ ۶) عطارد یا کاتب یا دبیر فلک۔
۷) زہرہ۔ ۸) شمس۔ ۹) مریخ یا احمر۔ ۱۰) مشتری۔ ۱۱) زحل یا کیوان۔
اب ان کے اوپر یورنس اور نیپچون بھی دریافت ہوئے ہیں۔
۱۲) فلک منازل یا فلک بروج یا فلک ثوابت۔ ۱۳) فلک اطلس۔ ۱۴) فلک الکرسی۔ ۱۵) فلک العرش۔

عرش اور کرسی، عالم دنیا میں شامل نہیں۔ نہ وہ افلاک ہیں، بلکہ عالم مثال میں ہیں۔ بہر حال اس وجہ سے کہ فلک الشمس افلاک کا قطب ہے، حضرت ادریسؑ رفیع المکان ہوئے۔ آفتاب کی طرح ان کے فیوض دنیا پر جاری ہیں۔

نوٹ: علو مکانی کے تحت شیخ ابن عربیؒ نے نظام فیثا غورثی اور نظام بطلیموسی کے حوالے سے فلکیات اور سیارات کا جو تذکرہ کیا ہے وہ غالباً اُس زمانے کے مسلمان ماہرینِ فلکیات کی تحقیقات کے مطابق ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ شیخ ابن عربیؒ نے فیثا غورثی یا بطلیموسی نظاموں کی نہ تو تائید کی نہ نفی کی بلکہ اس کا تذکرہ صرف مثال کے لیے کیا ہے۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں تحقیق کا سلسلہ تیزی سے آگے بڑھتا جارہا ہے اور نئی نئی معلومات سامنے آرہی ہیں۔ اس سلسلے کی موجودہ تحقیق، نظام شمسی یعنی سولر سسٹم ہے۔ یہ نظام، بنیادی طور پر نیبولائی نظریے کے مطابق وجود میں آیا۔ اس کے مطابق ایک بہت بڑے مادّے کی ثقلی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اس نئے نظام کی تشکیل ہوئی۔ نظام شمسی، سورج اور ان تمام اجرام فلکی کے مجموعے کو کہتے ہیں، جو براہ راست یا بالواسطہ، سورج کی ثقلی گرفت سے بندھے ہوئے ہیں۔ ان میں آٹھ سیارے، ایک سو باسٹھ چاند اور کروڑوں چھوٹے اجرام فلکی شامل ہیں جو اس نظام کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔۔۔ سورج سے فاصلے کے اعتبار سے آٹھ سیاروں کی ترتیب یہ بنتی ہے: عطارد، زہرہ، زمین، مریخ، مشتری، زحل، یورینس اور نیپچون۔۔۔ کچھ ہی عرصہ پہلے تک پلوٹو کو بھی اسی نظام شمسی کا ایک حصہ مانا جاتا تھا لیکن جدید ترین تحقیق کی بنا پر پلوٹو کو ۲۰۰۶ء میں اس نظام سے خارج کر دیا گیا۔ اسے اب ڈوارف پلانیٹس یعنی بونے سیاروں کی فہرست میں ڈال دیا گیا ہے۔۔۔ مرتب

علو مکانت و مرتبت، ہم محمدیوں کے لیے ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ، (یعنی) تم لوگ درجے اور مرتبے میں دوسروں سے اعلیٰ ہو، (اٰل عمران :۱۳۹ اور محمد:۳۵)۔ وَاللّٰہُ مَعَکُمْ (یعنی) اور اللہ تمھارے ساتھ ہے، (محمد:۳۵)۔ اس علو درجہ میں وہ بھی تمھارے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ علو مکان سے پاک ہے، مگر علو مکانت و مرتبت اُس کے لیے ثابت ہے۔

جب عبادت و عمل کرنے والوں کے نفوس معیت الٰہی سے ڈرے تو (اوپر بیان کردہ) آیتِ معیت کے بعد ہی (اللہ نے) فرمایا، وَلَن یَتِرَکُمْ أَعْمَالَکُمْ، (یعنی) اور وہ تمھارے اعمال کو ضائع نہ کرے گا (محمد:۳۵)۔ عمل، علو مکان کا طالب ہے۔ علم، علو مکانت، عزت اور قربِ الٰہی کا طالب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم محمدیوں کو دونوں قسم کے علو و رفعت سے سرفراز کیا۔ علو مکان، عمل سے اور علو مکانت، علم سے۔ پھر علو مکانت جو معیت سے ثابت ہوتی ہے، اس سے بھی تنزیہ کے لیے فرمایا۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلَی، (یعنی) تم اپنے پروردگار اعلیٰ و ارفع کے نام کی {اس اشتراکِ معنوی سے} تسبیح (و تنزیہ) کرو، (الاعلیٰ:۱)۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ انسانِ کامل تمام مخلوقات میں اعلیٰ و بلند تر ہے مگر اس پر بھی اس کی طرف علو بالذات منسوب نہیں، بلکہ اس کی طرف علو بالطبیعت منسوب ہے۔ خواہ وہ علو، مکان کی طرف منسوب ہو، خواہ مکانت و مرتبت کی طرف۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانِ کامل ہی اپنی عدمیت ذاتی و نیستیِ اصلی کو سمجھتا ہے۔ اور ادّعاہائے باطل سے (یعنی) جھوٹے دعووں سے اجتناب کرتا ہے۔

اے ذات تو مجمع الکمالات میں بھی ہوں کمالِ بے کمالی

یہ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ علو مکانت سے مراد درجۂ مرتبہ تمکین کی رفعت و تفوق (یعنی شان و شوکت کے لحاظ سے سربلندی) ہے۔ بہر حال انسان، کامل علو ذاتی نہیں بلکہ وہ مکان و مکانت کے علو کے لحاظ سے علی بلند اور سرفراز ہے۔ یعنی اس کے لیے علو مکانی و مکانتی ثابت ہے۔ حق سبحانہٗ کا علو، عالم مثال میں علو مکان سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے، الرَّحْمَـٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ، (یعنی) شانِ رحمانیت عرش حکومت پر براجتی (یعنی قائم) ہے، (طٰہٰ :۵)۔ عالم مثال میں عرش ہی سب مکانوں سے اعلیٰ، ادراک (یا تصور) کیا جاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے لیے، علو مکانت ان آیتوں میں ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ، (یعنی) ہر شئے فانی ہے، باطل ہے، سوائے ذاتِ حق کے، (القصص:۸۸)۔ اور، إِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ، (یعنی) اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں سارے کام، (ھود:۱۲۳)۔ اور، أَإِلَـٰهٌ مَّعَ اللَّـهِ، (یعنی) کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ (النمل:۶۰ سے ۶۴ میں)۔

خدائے تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کے حق میں فرمایا، وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا، (یعنی) ہم نے اس کو مکانِ بلند پر چڑھا دیا، (مریم:۵۷)۔ یہ علو مکان کی صفت ہوئی۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، (یعنی) اس واقعے کو بھی یاد رکھو جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، (البقرۃ:۳۰)۔ اس آیت میں علو مکانت ہے۔ فرشتوں اور ابلیس کے بارے میں فرمایا۔ اے ابلیس! کیا تو نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا اور تکبر کیا، یا تو بلند مرتبے والوں سے تھا۔ [وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ (یعنی) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدۂ (تعظیمی) کرو تو بجز ابلیس کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا، (البقرۃ:۳۲)]۔ پس فرشتوں کے لیے علو ثابت کیا گیا۔ اگر یہ علو، ان کے فرشتے ہونے کے سبب سے ہوتا تو کل فرشتے اس علو میں شریک ہوتے، مگر یہ علو تو عام نہیں۔ باوجود یہ کہ وہ سب فرشتے ہونے میں شریک ہیں۔ اس سے ہم نے جان لیا کہ یہ علو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجۂ مکانت کا مرتبہ ہے۔ ایسا ہی حال آدمیوں میں کے خلیفوں کا ہے، کہ ان خلفا کا علو، علو ذاتی ہوتا تو پھر انسان کو علو ہوتا۔ کیوں کہ انفکاک (اور جدائی)، ذات کی ذاتیات اور لوازم ذات سے جائز نہیں۔ جب علو تمام انسانوں کا عام نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ علو مکانت و مرتبت ہے، نہ کہ علو ذاتی۔

شیخؒ اب علو ذاتی سے بحث فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے اسمائے ذاتیہ میں سے اسم "العلی" بھی ہے۔ یعنی بلند۔ پس اس کا علو کس پر ہو گا؟۔۔ علی کا لفظ مشتق ہے محاورہ، علا علیہ سے۔ جس کے معنی ہیں فلاں، فلاں پر غالب (ہے)۔ عالم میں تو اس کے سوا کوئی بالذات ہے ہی نہیں تو وہ کس کی اضافت سے علی ہے؟ وہ بذاتہٖ علی ہے۔ (اس کے علاوہ) علی کا لفظ مشتق ہے محاورہ، علا عنہ سے۔ جس کے معنیٰ ہیں فلاں، فلاں سے بلند ہے۔ اس کے سوا مرتبۂ جمع وذات میں اور ہے ہی کیا کہ اس سے اعلیٰ ہو۔ پس اس کو بنفسہٖ علو ہے اور باعتبار وجود،

وہ موجودات کا عین اور سب کا منشا ہے۔ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ۔[(یعنی) اور سب کچھ اسی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے،(ھود:۱۲۳)]۔ وہی سب کا مرجع ہے اور مطلق، عینِ مقید ہے تحقق و وجود میں، اور غیر ہے تعقل و فہم میں۔ پس موجودات، جس کو محدثات و مخلوقات کہتے ہیں وہ بھی اپنی ذات حقہٗ و منشا و اصل کے لحاظ سے علی و بلند ہیں۔ اس وجہ سے کہ موجودات اس لحاظ سے غیر حق نہیں۔ پس حق تعالیٰ بذاتہٖ علی ہے، باضافت علی نہیں۔ اس لیے کہ اعیان ثابتہ و معلومات الٰہیہ جن کو وجود خارجی نہیں، ہنوز کتم عدم (یعنی ابھی تک عدم کے پردے) میں ہیں۔ ان کو وجود خارجی کی ہوا تک نہیں لگی۔ پس اعیان ثابتہ، باوجود موجوداتِ خارجیہ میں متعدد معلوم ہونے کے، ہنوز اپنے عدم اصلی پر ہیں۔ اور وہ ذات، جو مجموعہ صور میں متجلی ہے، مجموع اور کثرت میں بحیثیت تقئید، ظاہر ہے۔۔۔ اور (وہ) مجموع اور کثرت میں بحیثیت اطلاق، باطن ہے۔

کثرت، اسما ہی میں پائی جاتی ہے، اور اسما، نسبتوں اور عدمی امور میں، اور وجود میں، وہی ایک عین ہے جو ذاتِ واحدہ ہے۔ پس حق تعالیٰ بنفسہٖ علی ہے اور باضافت اس کو علو نہیں۔ عالم میں اس حیثیت سے یعنی ذات کے منشاے کثرت ہونے کے لحاظ سے علو اضافی نہیں بلکہ اس کے لیے علو ذاتی ہے۔ اگرچہ جہتِ غیریت سے علو اضافی ہے۔ کیوں کہ وجود کے جہات و وجوہ میں تفاضل و تفاوت (یعنی فرق) ہے۔ پس عین واحد میں باعتبار کثرت جہات کے علو اضافی ہے۔ اسی لیے ہم ہر مظہر میں کہتے ہیں کہ وہ، وہ نہیں ہے اور تو، تو نہیں ہے۔

ابو سعید خرّازؒ، جو جہاتِ حق میں سے ایک جہت ہیں، اور مظاہر کاملہ میں سے ایک مظہر ہیں، اور حق کی زبانوں میں سے ایک زبان ہیں، اپنے نفس اور ذات سے خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر اضداد کا حکم اس پر لگائے جانے کے، معلوم نہیں ہو سکتا۔۔۔ پس وہی اول ہے، وہی آخر ہے۔ اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔ وہ، عینِ ظاہر ہے اپنے بطون کے وقت، اور عینِ باطن ہے اپنے ظہور کے وقت۔ وجود میں اس کو سوائے اس کے کوئی دوسرا دیکھنے والا نہیں۔ کثرت میں بھی، جس میں وہ مخفی ہے، کوئی دوسرا نہیں۔ پس وہ اپنے ہی نفس پر ظاہر و نمایاں ہے۔ وہ اپنے ہی نفس سے مخفی و باطن ہے۔۔۔ ابو سعید خرّازؒ اور دیگر نو پیدا ممکنات کے نام بھی فی الحقیقت اسی کے نام ہیں۔

اب اسما کے امتیاز کو دیکھو۔ جب اسم الظاھر، انا (یعنی میں ہوں) کہتا ہے تو اسم الباطن کہتا ہے کہ میں نہیں ہوں۔ جب اسم الباطن، انا کہتا ہے تو اسم الظاھر کہتا ہے کہ میں نہیں ہوں، اور یہ حکم اشتراک و امتیاز، تمام اضداد میں ہے۔ ایک اور مثال پر غور کرو۔ متکلم (یعنی بولنے والے) کے معنیٰ اور اس کی حیثیت الگ ہے۔۔۔ سامع (یا سننے والے) کے معنیٰ اور اس کی حیثیت جدا ہے، مگر ایک ہی شخص سنتا بھی ہے اور دیکھتا

بھی ہے۔ متکلم اور سامع کی ذات و عین تو ایک ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ان اللہ تجاوز عن امتی ماحدّثت بہ انفسھا، (یعنی) اللہ تعالیٰ نے ان وساوس و خطرات کو معاف فرمادیا جن کے متعلق ان کے نفسوں نے گفتگو کی، (صحیح البخاري، سنن النسائي، فتح الباري)۔ دیکھو یہاں آدمی اپنے نفس میں آپ، یا یوں کہو کہ اپنے آپ سے گفتگو کرتا ہے۔ پس ان خطرات اور احادیثِ نفس میں خود ہی بولتا ہے اور خود ہی اپنی باتیں سنتا ہے، اور اس کے نفس نے جو کچھ کہا اس کو جانتا ہے۔ حالاں کہ ذات تو ایک ہی ہے اگرچہ مختلف حیثیتوں سے ان پر مختلف احکام لگنے سے کوئی ناواقف نہیں۔ اس لیے کہ اس بات کو ہر شخص اپنے نفس میں پاتا اور جانتا ہے۔ جس طرح ایک ہی انسان مختلف جہات سے متضاد امور سے موصوف ہوتا ہے، اسی طرح حق تعالیٰ بھی مختلف جہات سے مختلف و متضاد اوصاف سے موصوف ہے اور اس پر مختلف احکام لگتے ہیں۔ اس تحقیق سے ناواقف ہونے سے محجوبین (یعنی لاعلم لوگ) گڑبڑ میں پڑ گئے۔ اور حق و باطل میں ان کو اشتباہ (یا شبہ) ہو گیا۔

ایک اور مثال پر غور کرو کہ مراتبِ معینہ میں واحد (یعنی "ایک") کے بار بار آنے سے اعداد پیدا ہوئے ہیں۔ واحد ہی نے عدد کو موجود کیا ہے، اور عدد نے واحد کی تفصیل کی۔ عدد کا حکم، بغیر معدود (یعنی بے گنتی) اور خارجی شئے کے ظاہر نہیں ہوتا کیوں کہ وہ عرض ہے۔ غیر مستقل ہے۔ قائم بنفسہٖ نہیں۔ واضح ہو کہ "واحد" مثال ہے عینِ واحدہٗ و ذات حقہٗ کی۔ عدد، مثال ہے کثرتِ اسما کی جو مختلف شانوں میں اور مختلف ذاتی نسبتوں میں نمایاں ہوتے ہیں۔۔۔ یا عدد مثال ہے، علم میں کثرت اعیان ثابتہ کی۔ معدود مثال ہے، حقائق کونیہ، مظاہر خلقیہ (اور) موجودات خارجیہ کی۔ بعض معدود (یا شمار کیے گئے عدد)، معدوم ہوتے ہیں اور بعض موجود ہوتے ہیں۔ کبھی ایک شئے باعتبار حس کے معدوم ہوتی ہے اور وہی باعتبار عقل کے موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح اعیان ثابتہ و حقائق ممکنہ کو ضروری نہیں کہ سب خارج میں موجود ہوں۔

پس عدد (یعنی نمبر) اور معدود {یعنی اس چیز کا جو گنی جاتی ہے} نیز واحد کا ہونا ضروری ہے۔ عدد سے واحد کی تفصیل ہوتی ہے۔ معدود سے احکام عدد نمایاں ہوتے ہیں۔ واحد، عدد کو بناتا ہے اور اس کے سبب سے عدد بنتا ہے۔ اگرچہ اعداد میں سے ہر ایک مرتبے کی ایک متمیز اور معین (یعنی جدا اور مقررہ) حقیقت ہے۔ مثلاً نو سے نیچے {۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱}۔۔۔ اور ۱۰ سے اوپر غیر متناہی ہے۔

واضح ہو کہ واحد میں دو اعتبار ہیں۔ ایک وہ جو تمام اعداد میں ہے۔۔ دوم وہ جو ترتیب میں ہے یعنی دو سے پہلے۔۔۔ یہ واحد ۲، اور ۳ سے نہیں ملتا اور وہ واحد جو منشائے اعداد ہے، سب میں ہے لیکن ہر عدد کی

حقیقتِ متمیزہ (یعنی جدا حیثیت)، مطلق عدد کی عین (یا اصل) نہیں ہے۔ مطلق عدد (یعنی کامل نمبر) کی حقیقت مطلق جمع اعداد ہے، اور وہ ہر عدد کی حقیقتِ متمیزہ سے جدا نہیں ہوتی۔ 'اثنین' یعنی دو کی ایک جدا حقیقت ہے اور 'ثلث' یعنی تین کی بھی ایک جدا حقیقت ہے۔ ایسا ہی جہاں تک یہ مرتبے بڑھتے جائیں ہر ایک کی حقیقت خاص ہوتی جائے گی۔ اگرچہ سب کی حقیقت ایک ہے یعنی مجموعۂ احاد (یا کئی "ایک" کا اکٹھا ہونا) مگر اعداد سے ایک کی حقیقت، بعینہٖ دوسرے کی حقیقت نہیں ہے۔ جمع احاد کا لفظ سب اعداد کو شامل ہے۔ اسی واسطے تم ان مراتبِ اعداد کو اس حقیقتِ جامع سے کہتے ہو اور ان مراتب اعداد پر اس حقیقت جامعہ و مطلق عدد کا حکم کرتے ہو۔۔۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ مراتبِ اعداد بیس ہیں۔ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۲۰، ۳۰، ۴۰، ۵۰، ۶۰، ۷۰، ۸۰، ۹۰، ۱۰۰، ۱۰۰۰۔ انہی مراتب میں ترکیب داخل ہو کر (یعنی مزید اعداد کو ملانے سے) غیر متناہی اعداد پیدا ہوتے ہیں۔ پس واحد ہی پر کثیر کا حکم لگا رہے ہو جو تمھارے نزدیک اس سے بالذات منفی ہو۔ جس نے اس تحقیق کو سمجھ لیا کہ جس کو ہم نے اعداد میں بیان کیا ہے، تو وہ جان لے گا کہ حق جو کثرت سے منزہ ہے، وہی منشا اور اصل ہے خلقِ مشبہ کا (یعنی ایسی تخلیق کا جس کو تشبیہ دی جا سکے)۔ کیوں کہ واحد سے عددیت کی نفی کرنا ہی اس کا اثبات ہے۔ اگرچہ خلق، خالق سے متمیز ہے، مگر حقیقت و وجود کے لحاظ سے ایک ہی شئے خالق بھی ہے، اور مخلوق بھی۔ اور وہی مخلوق بھی ہے اور خالق بھی۔ کیا تمام مخلوقات ایک ہی عین حقہٗ سے ہیں؟۔۔ نہیں۔ بلکہ وہی عین ذات واحدہ حقہٗ اعیان وذوات کثیرہ میں نمایاں ہے۔

اب دیکھو تمھاری رائے کیا ہے۔ کیا تمھاری رائے میں وحدتِ عین اور ذاتِ واحدہٗ ہے کہ رویتِ حق، رویتِ خلق سے مانع نہ ہو۔ یا کثرتِ اعیان اور ذواتِ کثیرہ ہے کہ رویتِ خلق، رویتِ حق سے مانع ہو۔ یا وحدت فی الکثرت اور کثرت فی الوحدت ہے کہ ایک دوسرے کے لیے مانع نہ ہو۔

{بر بنائے قول جمہور علماے اسلام} (یعنی اکثر علما کی روایت کے مطابق): کہا اسماعیل علیہ السلام نے، ابراہیم علیہ السلام سے کہ اے میرے باپ! تعمیل کیجیے جس کا آپ کو امر کیا گیا ہے۔ بیٹا تو باپ کا عین ہی ہے۔ پس ابراہیمؑ نے اپنے سوا کسی اور کو ذبح کرتے نہیں دیکھا۔ حق تعالیٰ نے اسماعیلؑ کے بدلے ایک بڑی قربانی دی۔ (کیا) مینڈھے کی صورت میں وہی ظاہر ہوا جو انسان یعنی ابراہیمؑ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا اور بیٹے یعنی اسماعیلؑ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا؟۔۔۔ نہیں۔ بیٹے کے حکم کے ساتھ وہی ظاہر ہوا جو والد کا عین تھا۔

(اللہ نے) اُسی نفس سے اُس کے جوڑے کو پیدا کیا۔ تو گویا اس نے اپنے ہی نفس سے نکاح کیا۔ پس اُسی سے اُس کا جوڑا اور بیوی ہے اور اُسی سے اُس کی اولاد ہے۔ جب اعداد میں واحد ہی کا ظہور ہے تو طبیعت وصورتِ نوعیہ یا مادّۂ عالم کیا ہے؟۔۔۔ اور طبیعت سے پیدا ہونے والے جزئیات کیا ہیں؟۔۔۔ ہم نے تو نہیں دیکھا کہ طبیعت سے جو جزئیات ظاہر ہوتے ہیں اس سے طبیعت میں کچھ کمی ہو گئی ہو۔ یا نہ ظاہر ہونے سے کوئی چیز زیادہ رہتی ہو۔ طبیعت سے جو ظاہر ہوا ہے اس کا غیر نہیں، اور طبیعت، عینِ مظاہر بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ صور (یعنی صورتیں) جدا ہیں، ان کے احکام جدا ہیں۔ (ایک) سرد و خشک ہے۔ (دوسرا) گرم و خشک ہے۔ خشکی دونوں میں مشترک ہے۔ سرد و گرم، مابہ الامتیاز (یا بنیادی فرق) ہے۔ ایک کو دوسرے سے جدا کرنے والے ہیں۔ (کیا) ان جزئیات کو جمع کرنے والی طبیعت ہے؟۔۔۔ نہیں۔ بلکہ جزئیات، عینِ طبیعت ہے۔۔۔۔ عالم طبیعت یا عالم حقائق ممکنات کیا ہے؟۔۔۔ (کیا) ایک آئینے میں نظر آنے والی مختلف صورتیں ہیں؟۔۔۔ نہیں۔ بلکہ ایک ہی صورت مختلف صورتوں میں اعیان کے نمایاں ہے۔ یہاں حیرانی ہی حیرانی ہے۔ اس لیے کہ ہر ایک کی دید جدا ہے۔۔۔ مگر ہم نے جو کہا اگر اس کو سمجھ جاؤ تو کوئی حیرانی نہ ہو۔

اگر کوئی عارف، علم کی ترقی میں ہو اور رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا [(یعنی) اے پروردگار مجھے مزید علم عطا کر، (طٰہٰ:۱۱۴)] کی دعا کرتا ہو تو یہ ترقی وزیادت، محل ہی کے اقتضا سے ہے اور محل بعینہٖ عین ثابتہ ہے۔ پس انھیں عین ثابتہ کے سبب سے حق تعالیٰ مظاہر میں نئی نئی تجلیات سے جلوہ فرما ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ہر دم تازہ جلوت ہے

پھر ان مختلف مظاہر کے اقتضا سے حق تعالیٰ پر بحیثیت ظہور، نئے نئے احکام لگتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ ان احکام کو قبول بھی فرماتا ہے۔ اور حق تعالیٰ پر مظہر تجلی ہی حاکم ہے۔ پس یہاں اس کے سوائے دوسری شئے ہے ہی نہیں۔

کوئی نہیں ہے اس کے سوا لا الٰہ الا اللہ

فالحق خلق بهذا الوجه فاعتبروا	پس حق تعالیٰ بوجہ تقئید و تعیین کے عینِ خلق ہے۔ اس کو خوب سمجھو۔
وليس خلقا بذالك الوجه فاذكروا	اور جہت اطلاق سے خلق نہیں ہے۔ اس کو یاد رکھو۔
من يدر ما قلت لم تخذل بصيرته	جس نے میری بات سمجھ لی اس کی دلی بصیرت، مدد سے عاجز نہ ہو گی۔
وليس يدريه الا من لهٗ بصر	اس کو سوائے دلِ بینا رکھنے والے کے، دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔

جمع و فرق فان العین واحدة

تم جمع و فرق کرو۔ اطلاق وتقئید کے قائل رہو۔ کیوں کہ ذات حقہ ٗتو ایک ہی ہے۔

وھی الکثیرة لا تبقی ولا تذر

وہی ذات وحدہٗ کثیرہ بھی ہے، اور وہ کثرت کو رکھتی ہے، نہ چھوڑتی ہے۔

پس علیٰ بنفسہٖ (ذات حق) وہ ہے جس کو ایسا کمال ہو کہ وہ اس کے سبب سے تمام صفاتِ حقیقتِ موجودہ اور صفاتِ عدمیہ {خواہ اضافیہ ہوں، خواہ سلبیہ} سب کو محیط اور شامل ہے۔

واضح ہو کہ خیریت و محمودیت وجود سے، اور شریت و مذمت عدم سے پیدا ہوتی ہے۔ پس حق جل مجدہ جو عینِ وجود اور اصلِ کمال ہے، اس سے خیریت ہی منسوب ہوگی۔ مگر بظاہر اصلِ کل ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صفت اس کے کمال سے خارج اور اس سے فوت نہیں۔ خواہ وہ صفت، عرفاً، عقلاً یا شرعاً محمود ہوں یا مذموم۔ یہ کمالِ محیط، لفظ اللہ کے مسمیٰ اور ذاتِ حقہ کے ساتھ خاص ہوگا۔ جو مسماے اللہ کا غیر ہوگا وہ یا (تو) وجودِ مطلق و ذاتِ حقہ کے مظاہر و مجالی اور تجلی گاہ سے ایک مظہر ہوگا، یا اس میں کوئی صورت یعنی اسم الٰہی یا صفتِ حقہ ہوگی۔ اگر وہ غیر اللہ اس کا مظہر ہے تو ضرور تفاوت (واختلاف) واقع ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مظہر میں ایک خاص تجلی ہے۔ اگر اس میں کوئی خاص صورت ہوگی تو وہ صورت یا اسم الٰہی، ذاتِ حقہ اور مسماے اللہ کا کمالِ ذاتی ہی ہوگا کیوں کہ یہ صورت اس ذات کی عین ہے جس میں یہ نمایاں ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اسماے الٰہیہ باعتبار منشا کے، عین ذات ہیں۔ جو کمال، مسماے اللہ کے لیے ہے وہی اس صورت کے لیے ہے۔ بہر حال اسماے الٰہیہ لا عین ولا غیر ہیں۔ عین ہیں، باعتبار ذات و منشا کے۔ غیر ہیں، باعتبار مفہوم و انتزاع ذہن کے۔

ابو القاسم ؒبن قسی نے اسی تحقیق کی طرف اپنی کتاب خلع النعلین میں ان لفظوں سے اشارہ کیا ہے کہ ہر اسم الٰہی پر دوسرے کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور اس کی صفت ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں، هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ [وہ اللہ ہی ہے جو تخلیق کا منصوبہ بنانے والا، اس کو نافذ کرنے والا، اس کے مطابق صورت گری کرنے والا ہے، (الحشر:۲۴)]۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر اسم میں دو امر ہوتے ہیں۔ ۱) ذات ۲) صفت۔ صفت اُس معنیٰ پر دلالت کرے گی جس کے لیے یہ لفظ موضوع اور مقرر کیا گیا ہے۔ مثلاً، الرحمٰن، کہ اس میں ذات حقہ ہے اور صفت رحم یا رحمانیت ہے۔ اور ان دونوں پر اسم ،الرحمٰن دلالت کرتا ہے۔ پس باعتبار اسم الٰہی کہ ذات الٰہی پر دلالت کرنے کے، تمام اسماء اسی اسم الٰہی کے ہیں۔ اور باعتبار

Siddiqui Publications

صفتِ خاص پر دلالت کرنے کے ہر ایک اسم الٰہی دوسرے سے ممتاز و جدا ہے۔ جیسے الرب۔ الخالق۔ المصور، وغیرہ وغیرہ۔ پس اسم، عین مسمیٰ ہے باعتبار ذات کے۔ اور غیر مسمیٰ ہے، باعتبار صفتِ خاصہ کے، جس کے لیے لفظ وضع کیا گیا ہے۔

جب تم نے "علی" کے جو معنیٰ ہم نے بیان کیے ہیں سمجھ لیے تو تم یہ بھی سمجھ گئے ہو گے کہ حق تعالیٰ باعتبار تنزیہ ذات کے علو مکان اور علو مکانت سے پاک ہے۔ اس لیے کہ علو مکانت، حاکموں اور والیوں سے مختص (و مخصوص) ہے۔ جیسے سلطان، حکام، وزرا، قاضی اور عہدہ دار۔ خواہ اس منصب کی ان میں قابلیت ہو یا نہ ہو۔ جیسے آج کل کے حکام۔۔۔(مگر) علوِ صفات (کے ساتھ) ایسا نہیں ہے بلکہ علوِ صفات، صفات کے ساتھ ہوتا ہے۔ بڑے بڑے عالموں پر نہایت جہال عہدہ دار حکومت کرتے ہیں۔۔۔ ان جہال کو علو مکانت و مرتبت ہوتا ہے ان کے عہدے کی وجہ سے، بالتّبع[(یعنی جب تک کہ وہ اس عہدے پر فائز رہتے ہیں)، (دراصل)] یہ جہال بذاتہٖ علی و بلند نہیں ہیں۔ جب عہدے سے معزول ہوتے ہیں تو سارا علو، رفو چکر ہو جاتا ہے۔۔۔(جب کہ) عالم کا علو، ایسا نہیں ہے۔ اس کا علو دائمی ہے۔ لازوال ہے۔

والحمد للّٰہ لنا علم والجھال مال

(سب تعریفیں اللہ کے لیے، ہمارے لیے علم، اور جہلا کے لیے دولت ہے)

Siddiqui Publications